لکھنؤ میں فتویٰ کے مراکز۔ایک مختصر جائزہ

مولانا منور سلطان ندوی

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

برصغیر کے علمی نقشہ میں خطۂ اودھ کو ایک ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ یہ علاقہ صدیوں تک علومِ دینیہ، فقہ واجتہاد اور تدریس وتصنیف کا مرکز رہا، جہاں سے علمی وفقہی رہنمائی کا ایک مضبوط سلسلہ پورے پورب بلکہ ہندوستان بھر میں پھیلا۔ خصوصاً لکھنو اور اس کے اطراف میں قائم علمی خانوادوں اور اداروں نے افتاء وقضاء کی روایت کو فروغ دیا اور مسلمانوں کی دینی وعائلی زندگی میں مؤثر رہنمائی فراہم کی۔ اس مقالہ میں خطۂ لکھنؤ کے انہیں اہم مراکزِ افتاء، نامور شخصیات اور علمی اداروں کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ اس خطہ کی فقہی خدمات اور تاریخی کردار کو واضح کیا جا سکے۔

نامور عالم دین، معروف ادیب اور مشہور زمانہ محقق علامہ سید سلیمان ندویؒ نے مغل باشاہ شاہجہاں کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ ''پورب'' کو ''شیراز'' سے تعبیر کرتے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں:

> شاہجہاں فخریہ کہا کرتا تھا کہ ''پورب شیراز ماست'' علامہ آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھا ہے کہ پورب کی وسعت میں تین صوبے تھے، صوبہ الہ آباد، صوبہ اودھ، اور صوبہ عظیم آباد۔(۱)

خطہ اودھ کا جغرافیہ مختلف سلطنتوں میں بدلتا رہا ہے، مگر اتنا تو یقینی ہے کہ یہ خطہ پورب کی وسعتوں میں شامل اور پورب کی شاندار علمی وادبی سرگرمیوں کا امین رہا ہے۔

اگر صرف لکھنو کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو تنہا لکھنو اپنی علمی روایات کے لحاظ سے مرکزیت کا حامل نظر آتا ہے، نامور مورخ، ادیب اور تاریخ لکھنو کے محقق مولوی عبدالحلیم شرر نے اپنی مشہور کتاب ''گذشتہ لکھنؤ'' میں لکھنو کو ''ہندوستان کا بغداد وقرطبہ'' قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> زبان اور شاعری کے کمالات کے ساتھ لکھنؤ نے علم وفضل میں بھی ہندوستان کے تمام شہروں سے زیادہ ترقی کی، اگر سچ پوچھئے تو علوم کے اعتبار سے لکھنو ہندوستان کا بغداد وقرطبہ اور اقصائے مشرق کا نیشاپور وبخارا ہے۔(۲)

ہندوستانی اکیڈمی کی پانچویں اردو کانفرنس منعقدہ ۱۶ جنوری ۱۹۳۰ء بمقام لکھنؤ میں خطبہ صدارت پیش کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھنؤ کی ادبی خدمات کا تذکرہ اپنے خاص اسلوب میں اس طرح فرمایا:

> آج ہم جس تاریخی شہر میں جمع ہیں وہ گو ہمارے پورے ملک کی راجدھانی کبھی نہیں بنا،لیکن یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ہمارے علوم وفنون اور شعروادب کا مدتوں پایہ تخت رہا ہے، اوراب بھی ہے، شاہ پیر محمد صاحب جن کا ٹیلا اور ٹیلے والی مسجد مشہور ہے، یہاں کے سب سے بڑے عالم ہیں، عالمگیر کے عہد میں سہالی سے فرنگی محل کو علوم وفنون کا وہ خاندان منتقل ہوا جو صدیوں تک ہمارے علوم وفنون کا محافظ اورشیراز ہند پورب کا دارالعلوم رہا، اوراس نئے زمانے میں مسلمانوں کی نئی عربی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی یہیں بنیاد پڑی، یہاں کا خاندان اجتہاد پورے ملک کے طول وعرض پر تنہا حکمراں ہے۔(۳)

لکھنؤ کے دینی مراکز

اس خطہ میں دینی علوم وفنون کی اشاعت کا زبردست کام ہوا ہے،مختلف علوم پر جہاں کثرت سے نئی تصنیفات منصۂ شہود پر آئیں وہیں بعض ایسی نادر روزگار تصنیفات بھی اس خطہ کے علماء اور مصنفین کے قلم سے وجود میں آئیں جن کی ملکی نہیں عالمی سطح پر پذیرائی ہوئی۔

گذشتہ لکھنؤ کے مصنف مولانا عبدالحلیم شرر لکھنؤ میں علمی دینی علوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> علوم دینیہ میں سے فقہ، اصول فقہ، کلام اور عقائد میں، علوم ادبیہ میں سے نحو وصرف اور معانی وبیان میں، علوم عقلیہ میں سے منطق ، فلسفہ، طبیعیات والہیات میں، اور علوم ریاضیہ میں سے اقلیدس اور ہیئت میں علماء فرنگی محل کو خاص ناموری حاصل تھی اور سارے ہندوستان میں ان علوم کی تعلیم کا مرکز اصلی لکھنؤ تھا، ادب، شاعری اور عروض عربی کو علمائے شیعہ ومجتہدین لکھنؤ نے اپنا لیا تھا۔(۴)

فقہ واجتہاد سے جڑا ایک اہم اور نمایاں باب فتوی اور قضاء ہے، یہ دونوں علوم مسلمانوں کی عام زندگی اور خاص طور پر عائلی زندگی سے متعلق ہیں، اس لئے ان علوم کے ماہرین اور ان سے وابستہ شخصیات تاریخ کے ہر دور میں اور اکثر علاقوں میں ہمیں نظر آتے ہیں۔

قدیم لکھنؤ میں دینی علوم وفنون کے حوالے سے فرنگی محل کو جو مرکزیت اور عوام وخواص کا اعتماد حاصل رہا ہے وہ جگ ظاہر ہے، اسی طرح تحریک ندوۃ العلماء اور اس کے نتیجہ میں قائم دارالافتاء اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کا بھی مسلمانوں کی دینی رہنمائی میں غیر معمولی کردار رہا ہے، ان دونوں سے قبل بھی لکھنؤ میں درس وتدریس کا نظام قائم تھا، علماء کی درسگاہیں اور صلحاء کی خانقاہیں تھیں، جہاں تشنگان سیراب ہوتے تھے، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس کے واضح اشارے ملتے ہیں۔

۱۔سارنگ لکھنوی

نامورفقیہ اورچشتی بزرگ صوفی سارنگ فیروزشاہ کے امراء میں سے تھے،اہل اللہ کی صحبت ملی تو تارک دنیاہو گئے،شیخ قوام الدین کی صحبت میں رہے،طویل عرصہ تک حرمین شریفین میں رہے،پھر ہندوستان واپس آئے اوراپنے شیخ ومرشد کی زیارت کے لئے لکھنوآئے ،۸۵۵ھ میں وفات ہوئی اور یہیں آسودہ خاک ہوئے،نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشيخ الصالح الفقيه سارنك الحنفي الصوفي الدهلوي ثم اللكهنوي أحد كبار المشايخ الجشتية، كان من أمراء السلطان فيروز شاه الدهلوي ملك الهند وكانت وفاته في السادس عشر من شوال سنة خمس وخمسين وثمانمائة وقبره بمجهكوه قرية من أعمال۔(۵)

مولاناعبدالحی حسنی نے انہیں فقیہ کہاہے،جس سے اندازہ ہوتاہے کہ باطنی علوم کی طرح ظاہری علوم اور بطور خاص فقہ کے ماہر تھے،شیخ محمد بن قطب عرف شاہ میناان ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔

۲۔محمد بن ابوالبقاء کرمانی

ان کے جد کرمان سے دہلی تشریف لائے،نسب اس طرح ہے،محمد بن ابوالبقاء بن موسی بن ضیاء الدین حسینی نقوی کرمانی،دہلی سے لکھنومنتقل ہوئے،اوریہیں اقامت پذیر ہوئے،محمد بن ابوالبقاء کی پیدائش لکھنومیں ہی ہوئی،یہ اعظم ثانی سے معروف ہیں،۸۷۰ ہجری میں وفات ہوئی،اور گومتی کے کنارے مدفون ہوئے۔(۶)

یہی وہ عظیم شخصیت ہے جنہوں نے سب سے پہلے لکھنوکوعلم وفضل کا مرکز بنایا،علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

تاتاریوں کے زمانہ میں ساتویں صدی ہجری میں شیخ ضیاءاللہ کرمان سے لکھنوایک بزرگ سے ملنے کے لئے آئے،وہ یہیں مدفون ہیں،ان کے پرپوتے شیخ اعظم لکھنوی بڑے عالم ہوئے،اوریہی شیخ اعظم پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے لکھنوکوعلم وفضل کا مرکز بنایا،وہ یہ تحفہ جونپور سے لائے۔(۷)

مولاناعبدالحی حسنیؒ نے نزہۃ الخواطر میں ان کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

وولد محمد بن أبي البقاء بمدينة لكهنؤ ونشأ بها واشتغل بالعلم وسافر إلى جونبور وكانت دار علم معروفة في ذلك العصر فقرأ الكتب الدرسية على الشيخ أبي الفتح بن عبد الحي بن عبد المقتدر الشريحي الكندي، ثم أخذ عنه الطريقة ورجع إلى لكهنؤ فدرس وأفاد بها زماناً۔(۸)

مولاناعبدالحی حسنیؒ نے مصباح العاشقین کے حوالے سے لکھاہے کہ محمد بن ابوالبقاء اپنے دور کے بڑے علماء میں سے تھے،اس خطے میں فتویٰ انہی پر ختم ہوتا تھا(یعنی وہی سب سے بڑے مفتی سمجھے جاتے تھے)۔مشرق کا سلطان ان کے فضل وکمال کا معتقد تھااورشرعی مسائل میں ان سے فتویٰ لیا کرتا تھا۔

إن مولانا محمداً كان من كبار العلماء انتهت إليه الفتيا في هذه الديار وكان سلطان الشرق يعتقد فضله وكماله ويستفتيه في المسائل الشرعية۔(۹)

ان کے تلامذہ میں شیخ ضیاء لکھنوی، شیخ سعد الدین خیر آبادی اور شیخ محمد بن قطب معروف بہ شاہ مینا کے اسماء شامل ہیں۔(۱۰)

علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے ہی لکھنؤ کو علم وفضل کا مرکز بنایا، اور نزہۃ الخواطر میں ان کے تلامذہ کا کثرت سے ذکر اس کا بات کا مضبوط ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ان کی مستقل درسگاہ رہی ہوگی، جہاں بہت سے علماء تیار ہوئے، یہی اس دور میں دینی علوم کی اشاعت کا مرکز رہا ہوگا، اور چونکہ محمد بن ابو لبقاء خود بھی مفتی تھے، اس لئے یہ فتوی کا مرکز بھی رہا ہوگا۔

مفتی صدر الدین لکھنوی، مفتی تابع لکھنوی جو اپنے دور کے نامور علماء میں سے تھے، انہیں کی نسل سے ہیں۔ (نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص: ۵۴۴) مفتی محمد تابع لکھنوی اپنے دور کے ممتاز عالم اور مفتی تھے، اپنے والد کے بعد فتوی نویسی کی ذمہ داری سنبھالتے رہے، ۱۱۲۸ھ میں وفات ہوئی، تذکرہ نزہۃ الخواطر میں ان الفاظ میں درج ہے:

الشيخ الفاضل المفتي تابع محمد بن المفتي محمد سعيد الحسيني اللكهنوي كان من نسل الشيخ محمد أعظم بن أبي البقاء الكرماني، ولد ونشأ بلكهنؤ وقرأ العلم على والده وعلى الشيخ أحمد بن أبي سعيد الصالحي الأميثهوي ولازمه مدة من الزمان حتى برع في العلم وتأهل للفتوى والتدريس، ولي الإفتاء بعد والده بمدينة لكهنؤ۔(۱۱)

۳۔ شیخ محمد بن قطب لکھنوی معروف بہ شاہ مینا

اپنے دور کے نامور بزرگ تھے، قاضی فرید اور محمد ابن ابو البقاء کرمانی سے دینی علوم حاصل کیا، اور شیخ قوام الدین سے روحانی تربیت حاصل کی، اور کمال پیدا کیا، وہ زہد اور عبادت کے ایسے مقام تک پہونچے تھے کہ وہاں تک کم صوفیاء پہونچتے ہیں، ۸۸۴ھ میں وفات ہوئی لکھنؤ میں مدفون ہوئے، نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشيخ الصالح الكبير محمد بن قطب الدين بن عثمان الصديقي اللكهنوي المشهور بالشيخ مينا، ولد ونشأ بمدينة لكهنو في مهد الشيخ قوام الدين العباسي، وقرأ شرح الوقاية والهداية في الفقه الحنفي على القاضي فريد ـــــ وجمع فيه من الزهد والقناعة والاستغناء انقطع إلى الزهد والعبادة ووصل درجة لم يصل إليها أحد من المشايخ في عصره ومصره۔(۱۲)

فوائد سعدیہ میں مذکور ہے کہ شیخ محمد بن قطب اپنے پیرو مرشد شاہ قوام الدین کی خانقاہ میں مجاہدہ کرتے تھے(۱۳) شاہ پیر محمد ایک عرصہ تک یہاں قیام پذیر رہے ہیں، ان کے ساتھ دوسرے تشنگان علوم بھی یہاں رہا کرتے تھے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ یہ خانقاہ باطنی علوم کا مرکز ہونے کے ساتھ تشنگان علوم کے لئے دینی درس گاہ بھی ہو۔

اسی طرح محمد بن قطب کا مزار جو چوک لکھنو میں واقع ہے بہت ممکن ہے کہ یہ خانقاہ شیخ شاہ مینا کی زندگی میں ہی علوم ظاہری اور علوم باطنی کا مرکز بن گیا ہو، لکھنو کے معروف بزرگ شاہ پیر محمد اور دوسرے متعدد علماء اور صلحاء کا وہاں قیام کرنا اور پھر شاہ پیر محمد کا وہاں درس دینا ثابت ہے۔مخزن برکت میں شاہ پیر محمد کے بارے میں ہے:

۔۔۔۔اور لکھنو پہونچ کر بدستور قدیم درسگاہ فیض پناہ مخدوم شاہ مینا میں مقیم ہوئے اور محض متوکلا علی اللہ اوقات بسر فرمانا شروع کیا، اور طریقہ درس وتدریس میں اوقات عزیز کو صرف کرنے لگے، تخمینا آپ کو پانچ سال کا زمانہ اقامت درسگاہ شاہ مینا میں ہوا تھا اتفاقیہ ایک روز ایک جھگڑہ واقع ہوا بوجہ اس قضیہ نامرضیہ کے آپ نے وہاں سے نقل سکونت فرمایا اور عین ہنگام شدت وشباب برشگال میں اسی ٹیلہ کو جہاں اب مزار پاک آپ کا ہے، چلے آئے، اور زیر درخت ایک املی کے قیام فرمایا۔(۱۴)

شاہ قوام الدین کا مقبرہ اور شیخ شاہ مینا کے مقبرہ کے دورمیان بہت فاصلہ نہیں ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں مقبرے ایک ہی خانقاہ کا حصہ رہے ہوں، بعد زمانی کے باعث یہ فاصلہ درمیان میں واقع ہوا ہو۔

۴۔قاضی عبدالقادر لکھنوی

شیخ اعظم ثانی کے بعد دوسری شخصیت جن کے ذریعہ لکھنو میں علم کا فیض جاری ہوا شیخ عبدالقادر کی ہے، اپنے دور کے نامور عالم تھے، ان کے جدامجد بلخ سے ہندوستان آئے، شیخ عبدالقادر کی پیدائش لکھنو میں ۹۹۶ ہجری میں ہوئی، علم کی تحصیل کے لئے لاہور اور دوسرے شہروں کا سفر کیا، پھر لکھنو کو مرکز بنایا اور علم افادہ میں مصروف ہوگئے، ۱۰۷۶ ہجری میں وفات ہوئی، اور لکھنو میں ہی آسودہ خاک ہوئے۔(۱۵)

علامہ سید سلیمان ندویؒ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لکھنو کے پاس کس منڈی ایک چھوٹا سا قصبہ ہے اور یہاں ایک بزرگ شیخ عبدالقادر بن شیخ سلطان جو مولانا قطب الدین محدث بن مولانا خضر محدث کی اولاد سے تھے، پیدا ہوئے انہوں نے لاہور جا کر علم کا فیض حاصل کیا اور لکھنو آ کر درس وفادہ کی نہر بنائی جو 40 برس تک جاری رہی، لکھنو کے اطراف میں ان کے ذریعے بڑا علم پھیلا، ان کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری کا وسط ہے، ان کے شاگردوں میں سب سے مشہور نام شاہ پیر محمد کا ہے جن کی نسبت سے لکھنو میں اب تک گھومتی کے کنارے شاہ پیر محمد صاحب کا ٹیلہ اور مسجد مشہور ہے۔(۱۶)

نزہۃ الخواطر میں ہے:

كان من فحول العلماء، ولد بلكهنؤ سنة ست وتسعين وتسعمائة، وقيل: إنه ولد بكسمندي - قرية من أعمال لكهنؤ - سنة أربع وتسعين وتسعمائة من بطن بوبوجيا بنت عبد الواحد بن لاذ صنو القاضي ضياء الدين النيوتيني، وحفظ القرآن وسافر للعلم إلى لاهور وإلى بلاد أخرى، ثم

تصدر للدرس والإفادة بمدينة لكهنؤ۔(۱۷)

نزہۃ الخواطر میں ان کے تلامذہ کے بہت سے نام ذکر ہیں، جن میں شاہ پیر محمد، سید محمد شفیع دہلوی، سید محمد قنوجی، شیخ قطب الدین سہالوی، سید غلام مصطفی اشرفی جائسی، شیخ محمد زماں کاکوروی، سید حسن رسول نما دہلوی، قاضی شرف الدین لکھنوی، قاضی عبداللطیف بہرائچی، قاضی حبیب اللہ سندیلوی، مولانا عبداللہ سندیلوی، مولانا رکن الدین محدث دہلوی، شیخ فتح اللہ قنوجی، مولانا جعفر صدرپوری، مولانا علیم اللہ کجندوی، مولانا ابوسعید لکھنوی، شیخ صدرالدین لکھنوی، شیخ مرتضی، نواب مختار خان امیر بنگال وغیرہ کے اسماء شامل ہیں۔(۱۸)

علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالحی حسنی کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے کہ قاضی عبدالقادر صاحب کی حیثیت ایک ایک عالم و مدرس سے زیادہ ایک مدرسہ یا درسگاہ کی رہی ہو، جہاں سے بے شمار اہل علم اور صاحب فضل وکمال تیار ہوئے۔

۵۔شاہ پیر محمد

شاہ پیر محمد اپنے زمانہ کے نامور عالم، مدرس اور صوفی تھے، ان کے مورث اعلی سید قادر ہرات کے رہنے والے تھے، بغرض جہاد ہرات سے ہندوستان پہونچے اور اٹاوہ میں مقیم ہوئے، یہ سلطان حسین بن ابراہم شرقی کا دور حکومت تھا، والد کی شہادت کے بعد مختلف شہروں میں بزرگوں کی صحبت میں رہ کر لکھنو پہونچے، اور مقبرہ شاہ شمس واقع چوک میں اقامت اختیار کی، کچھ عرصہ بعد مقبرہ شاہ شمس سے خانقاہ قاضی بولا آگئے اور تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔(۱۹)

خانقاہ قاضی بولا کے بعد آپ مقبرہ شاہ مینا منتقل ہو گئے، یہاں شیخ قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی سے درسی کتابیں پڑھیں، اسی زمانے میں معروف بزرگ شاہ عبداللہ سیاح دوبارہ لکھنو تشریف لائے، شاہ عبداللہ سیاح نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔(۲۰)

شاہ پیر محمد نے ایک عرصہ تک خانقاہ شاہ مینا میں درس دیا، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، اس کے بعد ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں انہوں نے اس خانقاہ کو چھوڑ دیا اور گومتی کے کنارہ ایک ٹیلہ کو اپنا مرکز بنایا، اور یہیں درس وتدریس اور مسترشدین کی تربیت میں مصروف ہو گئے،

مولانا عبدالحی حسنی نے ان کی تدریس کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

وكان يدرس ويفيد، أخذ عنه خلق كثير من العلماء، وانتهت إليه رئاسة العلم والتدريس، له مصنفات جليلة۔(۲۱)

۱۰۸۵ھ میں وفات ہوئی، اور ٹیلہ والی مسجد کے پاس آسودہ خاک ہوئے، ان کے شاگردوں میں شیخ محمد آفاق لکھنوی، محمد رضا لکھنوی، شیخ محمد زماں کاکوروی اور میر محمد شفیع دہلوی شامل ہیں۔(۲۲)

شاہ پیر محمد کی ٹیلہ والی مسجد ایک خانقاہ بھی تھی اور درسگاہ بھی، ملا غلام نشبند کے فرزند احمد بن ملا غلام نقشبند کے

تذکرہ میں مولانا عبدالحی حسنیؒ نے ”مدرسة الشيخ بير محمد“ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے،شاہ پیر محمد نے یہاں ایک عرصہ تک درس وتدریس میں مصروف رہے۔

نزہۃ الخواطر میں مولانا محمد رضا لکھنوی،محمد زماں کاکوروی،شیخ ابوالفتح نیوتینی،شیخ بدرالدین جونپوری،مولانا غلام نقشبند،شیخ غلام یحی بہاری،محمد شاکر لکھنوی،مفتی عبدالرب لکھنوی،مولانا محبوب علی سنبھلی وغیرہ کے تعارف میں یہ ذکر موجود ہے کہ ان لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا،اور یہ ٹیلہ والی مسجد میں قیام کرتے تھے۔

مخزن برکت کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ تلامذہ اور مریدوں کی بڑی تعداد ہوتی تھی،اسی طرح اس کتاب میں درس کے اوقات کا بھی تذکرہ ہے۔(۲۳)

مفتی رضا انصاری فرنگی محلی میں ملا نظام الدین کے تذکرہ میں لکھا ہے شاہ پیر محمد کی مسجد میں سات سو طلبہ کے کھانے پینے کا انتظام تھا،وہ مرزا محمد حسن قتیل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اب سے پہلے (زمانہ تصنیف یعنی ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء سے پہلے) شاہ پیر محمد کے ٹیلے پر جو لکھنو میں دریا کے کنارہ مشہور جگہ ہے،سات سو طلبہ کے کھانے،پینے،اور مہینے کے اخراجات کے لئے بادشاہ ہندوستان کی طرف سے ضروری مشاہرہ مقرر تھا۔(۲۴)

مفتی رضا انصاری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ملا نظام الدین فرنگی محلی کے پردیسی طلبہ تھے،قرین قیاس یہی ہے کہ یہ سلسلہ پہلے سے جاری رہا ہوگا،کیونکہ شاہ پیر محمد کے تلامذہ اور مریدین کی بڑی تعداد ان کے ساتھ رہا کرتی تھی،متعدد شاگردوں کے تعارف میں یہ ذکر موجود ہے،اس سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ پیر محمد کی مسجد اور مقبرہ ایک طویل عرصہ ایک دینی وعلمی مرکز کی حیثیت رکھتی تھی،جہاں سے بڑی تعداد میں اہل علم سیراب ہوئے ہیں۔

۶۔شیخ محمد آفاق لکھنوی

شاہ پیر محمد کے نمایاں تلامذہ میں شیخ محمد آفاق لکھنوی کا نام شامل ہے،جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے تدریسی سلسلہ کو باقی رکھا،۱۰۸۹ھ میں وفات ہوئی،نزہۃ الخواطر میں ہے:

> الشيخ الصالح محمد آفاق اللكهنوي الفقيه الصوفي العالم، ولد ونشأ بناحية بهار، وسافر للعلم فقدم كوبامؤ وقرأ الكتب الدرسية على المفتي وجيه الدين الكوباموي، ثم دخل لكهنؤ وأخذ عن الشيخ بير محمد اللكهنوي ولازمه ملازمة طويلة، ولما مات شيخه بير محمد قام مقامه في الدرس والإفادة۔(۲۵)

۷۔ملا غلام نقشبند

شاہ پیر محمد سے استفادہ کرنے والوں میں ایک نام ملا غلام نقشبند کا ہے،آپ کا پورا نام ملا غلام نقشبند بن عطاء اللہ عثمانی لکھنوی ہے،نزہۃ الخواطر میں آپ کا شجرہ نسب اس طرح درج ہے:

الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة غلام نقشبند بن عطاء الله بن حبيب الله بن أحمد بن ضياء الدين بن يحيى بن شرف الدين بن نصير الدين بن الحسين العثماني الأصفهاني ثم الكهوسوي اللكهنوي۔(۲۶)

اپنے دور کے نامور عالم تھے، متعدد علوم میں یکتائے روزگار تھے، مولانا عبدالحی حسنیؒ لکھتے ہیں:

والشيخ غلام نقشبند كان من كبار الأساتذة لم يكن في زمانه أعلم منه بالنحو واللغة والأشعار وأيام العرب ومايتعلق بها متوفراً على علوم الحكمة۔(۲۷)

شاہ پیر محمد کے شاگرد تھے، انہوں نے اپنے استاذ کے بنائے ہوئے نظام درس وتدریس کا آگے بڑھایا۔

علامہ سید سلیمان ندوی ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

موجودہ اعظم گڑھ اور غازی پور کے بیچ میں ایک مشہور قصبہ گھوسی ہے جو اس وقت اعظم گڑھ کے ضلع میں ہے، یہاں کی خاک سے ایک نامور شیخ عطاء اللہ گھوسی اٹھے، ان کے صاحبزادہ شیخ غلام نقشبند گھوسی ہوئے، میر محمد شفیع بھی شیخ عطاء اللہ کے شاگرد تھے، شیخ غلام نقشبند نے پہلے اپنے والد سے، پھر میر محمد شفیع سے اور اخر میں سند فراغ شاہ پیر محمد سے حاصل کی اور شیخ غلام نقشبند لکھنوی کے نام سے مشہور روزگار ہوئے، اور یہ رتبہ پایا کہ بڑے بڑے جلیل القدر علماء ان کی شاگردی پر نازاں تھے، شاہ عالم بہادر شاہ ان کی ملاقات کا مشتاق ہوا، ۱۱۲۶ھ ہجری میں وفات پائی اور لکھنؤ کی خاک میں ہمیشہ کے لیے آرام کیا۔(۲۸)

ان کے شاگردوں میں مفتی شرف الدین لکھنوی، سید عبدالجلیل حسینی بلگرامی، شیخ غلام مصطفی مرادآبادی، شیخ فریدالدین بلگرامی، سید قادر بلگرامی، شیخ محمد قاسم بجنوری، اور ملا نظام الدین فرنگی محلی شامل ہیں۔(۲۹)

مفتی رضا انصاری فرنگی محلی ملا نظام الدین کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۔۔۔لکھنو واپس آکر ملا غلام نقشبند سے جو شاہ پیر محمد کے مزار پر (واقع کنارہ دریائے گومتی) فرائض درس وفریضہ رشد وہدایت انجام دے رہے تھے، اور بیک واسطہ شاہ پیر محمد صاحب کے خلیفہ اور سجادہ نشیں تھے، فن ہیئت کی آخری کتاب رسالہ قوشجیہ پڑھی۔(۳۰)

مفتی رضا انصاری مزید لکھتے ہیں:

ملا غلام نقشبند مدرس بھی تھے، اور رشد وہدایت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، ان کی خدمت میں علوم ظاہریہ کے علاوہ علوم باطنی کے طلب گار بھی آتے رہتے تھے، مسجد بنا کردہ عالمگیر یا فدائی خان، اور عمارات تعمیر کردہ ملا غلام نقشبند میں ان کا رہنا ہوتا تھا۔(۳۱)

۸۔ملا غلام نقشبند کے صاحبزادے ملا احمد اپنے دور کے ممتاز عالم اور فقیہ تھے، اپنے والد غلام نقشبند کے جانشین

ہوئے،انہوں نے اپنے والد کے علاوہ ملا نظام الدین سے اکتساب فیض کیا،۱۱۵۹ھ میں وفات ہوئی،مولانا عبدالحی حسنی تحریر فرماتے ہیں:

الشيخ الفاضل أحمد بن غلام نقشبند بن عطاء الله العثماني اللكهنوي أحد العلماء المبرزين في الفقه والأصول والعربية، ولد ونشأ بمدينة لكهنؤ وقرأ العلم على والده ثم على الشيخ نظام الدين بن قطب الدين الأنصاري السهالوي ثم تصدر للتدريس مقام والده في مدرسة الشيخ بير محمد وتولى الشياخة أيضاً أخذ عنه غير واحد من العلماء۔(۳۲)

۹۔مفتی شرف الدین لکھنوی

غلام نقشبند کے نمایاں شاگرد مفتی شرف الدین لکھنوی تھے،سلطان عالمگیر کے دور میں حکومت سے قریب ہوئے،شاہ عالم کے دورحکومت میں کچھ شرعی خدمات بھی ان سے متعلق رہیں،۱۱۳۳ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر میں ان کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے:

الشيخ العالم الفقيه شرف الدين بن محي الدين بن صدر الدين بن محمد الأعظمي اللكهنوي كان جده محمد شفيق مولانا إله داد بن كمال بن محمد بن محمد الحسيني الكرماني، ولد ونشأ بمدينة لكهنؤ واشتغل بالعلم على والده زماناً ثم قرأ الكتب الدرسية على بعض العلماء من أهل كزه ثم قرأ درساً من تفسير البيضاوي على الشيخ غلام نقشبند بن عطاء الله اللكهنوي وأخذ عنه الطريقة، ثم تقرب إلى عالمكير بن شاهجهان الدهلوي سلطان الهند فنال أربعمائة لذاته منصباً وبعض الخدمات الشرعية۔(۳۳)

۱۰۔مفتی عبدالرب لکھنوی

اسی مدرسہ پیر محمد سے وابستہ ایک نمایاں شخصیت مفتی عبدالرب لکھنوی ہیں،اپنے دور کے نامور فقیہ تھے،متعدد علوم میں مہارت حاصل تھی،لکھنو کے مفتی رہے،شاہ پیر محمد کی خانقاہ میں درس وتدریس میں مشغول رہے،۱۲۸۰ھ میں وفات ہوئی،یہ مفتی ظہور اللہ کے شاگرد تھے،نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشيخ العالم الفقيه المفتي عبد الرب بن شرف الدين بن محي الدين الأعظمي اللكهنوي أحد العلماء الصالحين،له يد بيضاء في الفقه والأصول والفرائض والشعر والنجوم والجفر والموسيقى، ولد ونشأ ببلدة لكهنؤ وتوفي والده وهو ابن سنة ولكنه لما كان الله سبحانه قد جبله على الرشد والسعادة اشتغل بالعلم علي طاهر والوجيه الجونبوري، كانا يدرسان في زاوية الشيخ بير محمد اللكهنوي، وجد في البحث والاشتغال حتى برع وفاق أقرانه وولي الإفتاء، وكان زاهداً متقللاً، لم يرغب قط إلى استحصال المناصب الدنيوية.(۳۴)

۱۱۔مفتی غلام حضرت

ان کا شمار اپنے دور کے نامور علماء میں ہوتا ہے،لکھنو کے مفتی تھے، ۱۲۳۴ھ میں وفات ہوئی،نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشیخ العالم الفقیہ غلام حضرۃ بن محمد غوث الأعظمي اللکھنوي أحد العلماء الحنفیۃ، ولد ونشأ ببلدۃ لکھنؤ، وقرأ العلم علی من بھا من العلماء، وولي الإفتاء بمدینۃ لکھنؤ، فاستقل بہ مدۃ حیاتہ، وکان الأمراء یحترمونہ إلی الغایۃ۔(۳۵)

۱۲۔مفتی واجد علی بنارسی

ممتاز عالم اور مدرس تھے،منطق میں یدطولی حاصل تھا انگریزی دور حکومت میں لکھنو کے مفتی تھے،اس کے بعد بہار کے بتیا چلے گئے،وہیں ۱۲۷۶ھ میں ان کا انتقال ہوا،نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشیخ الفاضل العلامۃ المفتي واجد علي بن إبراھیم بن عمر العمري البنارسي أحد العلماء المبرزین في المنطق والحکمۃ، ولد ونشأ بلکھنؤ وقرأ العلم علی والدہ وعلی غیرہ من العلماء، ثم ولي الإفتاء بمدینۃ لکھنؤ في السفارۃ الإنکلیزیۃ فاستقل بہ خمس عشرۃ سنۃ(۳۶)

۱۳۔مولانا تراب علی لکھنوی

اپنے دور کے نامور فاضل تھے،مولانا مخدوم حسینی لکھنوی،مفتی اسماعیل بن وجیہ مرادآبادی،اور مفتی ظہوراللہ انصاری سے اکتساب فیض کیا،حجاز کا سفر کیا اور وہاں مفتی عبداللہ سراج مکی سے حدیث کا علم حاصل کیا،وہاں سے واپس آئے،اور زندگی بھر تدریس وافادہ میں مشغول رہے،ان کی فقہ کے موضوع پر متعدد تصنیفات ہیں،۱۲۸۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

الشیخ الفاضل العلامۃ تراب علي بن شجاعۃ علي بن فقیہ الدین بن محمد دولۃ ابن المفتي أبي البرکات الدھلوي الأمروھوي ثم اللکھنوي، أبو البرکات رکن الدین، کان من العلماء المبرزین في المعقول والمنقول۔(۳۷)

ان کے متعدد فتاوی فتاوی قیام الملۃ والدین (مرتب کردہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی) میں شامل ہے،جبکہ ایک فتوی فتاوی نعیمیہ میں بھی موجود ہے۔

علمائے فرنگی اور منصب افتاء

علمائے فرنگی محل کے مورث ملاقطب الدین بارہ بنکی کے قریب واقع قصبہ سہالی میں درس وافادہ میں مصروف تھے،ان کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں شہر تو شہر ہمارے قصبات تک دارالعلم تھے۔(۳۸)

ملا قطب الدین کی شہادت بعد یہ خاندن سہالی سے لکھنو منتقل ہوا، اور پھر یہیں سے علم کا وہ فیض جاری ہوا جس کی نظیر تاریخ میں کم ملتی ہے، اس خانوادہ نے دینی علوم اور بطور خاص علوم عقلیہ کی جو خدمت کی ہے وہ ہمیشہ آب زر سے لکھا جاتا رہے گا۔

علماء فرنگی محل کی دینی اور علمی خدمات کا ایک روشن باب فتوی بھی ہے، یہاں فتوی نویسی کے دو سلسلے نظر آتے ہیں، مفتیوں کا ایک سلسلہ وہ ہے جو سرکار اودھ میں عہدہ افتا وقضاء پر فائز تھے، اور حکومت سے وابستہ ہوکر اپنی خدمات پیش کرتے رہے، وہیں دوسری جانب ایسے مفتیان کرام بھی تھے جو حکومت سے وابستہ تو نہیں رہے مگر خاندان میں ان کو مرجعیت حاصل تھی، عوام وخواص دینی رہنمائی کے لئے ان کی جانب رجوع کرتے تھے۔

سرکار اودھ سے وابستہ مفتیان

جو مفتیان سرکار اودھ سے وابستہ رہے ان میں مفتی محمد یعقوب، ملا محمد ولی بن قاضی غلام مصطفی، ملا مبین بن محمد محب اللہ، مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی، مفتی محمد اصغر، مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر علی کے اسماء ملتے ہیں، ان کا مختصر ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۔ مفتی محمد یعقوب بن ملا عبد العزیز

تذکرہ علمائے فرنگی محل میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

> آپ کی دیانت اور تقوی پر عوام اور خواص سب کو بھروسہ تھا، یہاں تک کہ سرکار اودھ کی جانب سے آپ کو عہدہ افتاء سپرد ہوا، جس کو آخر عمر تک نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے، حکام کو آپ کے فتاوی پر بہت زیادہ اعتبار واعتماد تھا۔ (۳۹)

مفتی رضا انصاری فرنگی محلی مفتی محمد یعقوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ملا محمد یعقوب کے شباب کا زمانہ اودھ حکومت کے پہلے حکمران نواب برہان الملک (۱۷۲۰۔ ۱۷۳۹ء) کا تھا اور عمر کا آخری حصہ شجاع الدولہ وزیر المما لک (۱۷۵۳۔ ۱۷۷۵ء) کے عہد حکومت میں بسر ہوا، اس وقت تک اودھ کی راجدھانی فیض آباد تھی۔ نواب صفدر جنگ وزیر المما لک (۱۷۳۹۔ ۱۷۵۲ء) کے دور حکومت میں نائب وزیر راجہ نول رائے اکثر لکھنو میں عدالت کرتا تھا، ملا محمد یعقوب کو بلا کر اپنے پاس بٹھاتا، اور فیصلے انہی کے فتووں کی روشنی میں کرتا، راجہ کو کسی دوسرے پر اتنا اعتماد نہ تھا جتنا ملا محمد یعقوب پر تھا، وہ بھی مقدمات میں نہ کسی کے کہنے سننے کی پرواہ کرتے تھے، نہ کسی کا پاس ولحاظ کرتے تھے۔ نائب وزیر راجہ نول رائے کے بعد جو فرخ آباد کے افغانوں کے معرکے (۱۷۵۰ء) میں داد شجاعت دیتا ہوا میدان کارزار میں مارا گیا، لکھنو میں رسم عدالت وہ نہ رہی جو اس نے قائم کی تھی

اور مفتی محمد یعقوب بھی خانہ نشی ہو گئے۔

خاندان فرنگی محل میں مفتی محمد یعقوب ہی پہلے عالم ہیں جن کو ایک نہج سے سرکاری مفتی کا رتبہ ملا، جہاں تک عام استفتوں کے جوابات لکھنے کا تعلق ہے وہ ان کے استاد ملا نظام الدین ہی لکھتے تھے، جہاں تک احکام شریعہ کے اجرا اور نفاذ کا تعلق ہے اس کے لیے مفتی محمد یعقوب کے دستخطوں کو ہی اہمیت حاصل تھی۔(باقیات،ص:۱۲۰۔۱۲۱،مضامین مفتی رضا انصاری فرنگی محلی)

مفتی رضا انصاری نے بانی درس نظامی میں ان کا ایک فتوی نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

ملا صاحب کے شاگرد رشید اور مفتی شہر ملا مفتی محمد یعقوب فرنگی محلی کا بھی ایک فتوی بعینہ محفوظ رہ گیا ہے، یہ بلا شبہ دو سو سال قدیم ہے، اس پر ملا محمد ولی فرنگی محلی کے بھی دستخط موجود ہیں جن کی وفات کو ایک سو نوے سال گزر چکے ہیں۔(۴۰)

مولوی محمد ولی بن قاضی غلام مصطفی

استاذ الہند ملا نظام الدین کے شاگرد تھے، مدرس تھے، متعدد کتابیں تصنیف فرمائی، سرکار اودھ میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔

تذکرہ علمائے فرنگی محل میں ہے:

اپنے والد کی شہادت کے بعد بادشاہ دہلی کی طرف سے اپنے والد ماجد کی جگہ قاضی پرگنہ ملاوان کے مقرر ہوئے، اور جب تک قضاء کے احکام شریعہ میں حکام وقت کی جانب سے بے جا مداخلت شروع نہیں ہوئی، آپ قاضی رہے۔(۴۱)

مفتی محمد یعقوب کے ایک فتوی پر ان کی تصویب موجود ہے۔(۴۲)

مفتی ظہور اللہ بن ملا ولی (۱۱۷۴۔۱۲۵۶ھ)

اپنے دور میں خانوادہ فرنگی محل کے سب سے بڑے عالم تھے، انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، سرکار اودھ میں مفتی تھے، بانی درس نظامی میں اس کے والد ملا محمد ولی کے تذکرہ میں ہے:

مفتی ظہور اللہ کثرت تلامذہ اور مفید ترین درسی تصانیف کی بناء پر بڑی شہرت رکھتے تھے، سرکار اودھ میں عہدہ افتاء پر مامور ہونے کے باوجود درس و تدریس میں غیر معمولی انہماک رکھتے تھے۔(۴۳)

مولانا عنایت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

عہدہ افتاء سرکار اودھ سے سپرد ہوا، جس کو چالیس سال تک متواتر انجام دیتے رہے۔(۴۴)

ان کا ایک فتوی آثار حضرت مظہر جان جاناں میں موجود ہے۔(۴۵)

مفتی محمد اصغر

اپنے وقت کے نامور عالم اور مفتی تھے، ملا مبین سے کسب فیض کیا، ایک زمانے تک سرکار اودھ میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے، ۱۲۵۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، مولانا عبدالحی حسنیؒ ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشيخ الفقيه المفتي محمد أصغر بن المفتي أحمد بن أبي الرحم بن يعقوب بن عبد العزيز الأنصاري السهالوي اللكهنوي أحد الفقهاء الحنفية، ولد ونشأ بلكهنؤ، وحفظ القرآن، وقرأ العلم على والده وعلى العلامة مبين بن محب الله اللكهنوي، وسلك على قدم آبائه في الإفتاء والتدريس، وعمر مدرسة جده المرحوم، ولي الإفتاء فاستقل به مدة عمره۔(۴۶)

فتاوی نعیمیہ میں دو فتاوی پر ان کی تصویب ہے۔

مفتی محمد یوسف بن مفتی محمد اصغر علی

آپ خانوادہ فرنگی محل کے آخری سرکاری مفتی تھے، آپ کے والد مفتی محمد اصغر علی بھی حکومت اودھ کے مفتی تھے، تذکرہ علمائے فرنگی محل میں ہے:

آپ کے والد مفتی اصغر علی سرکاری مفتی تھے، ان کے انتقال کے بعد عہدہ افتاء آپ کے سپرد ہوا تھا جس کو غدر ۱۲۷۲ھ تک انجام دیتے رہے۔(۴۷)

مفتی رضا انصاری فرنگی محلی آپ کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

والد کی وفات (۱۸۳۹ء) کے بعد مفتی محمد یوسف جبکہ ان کی عمر 31 برس کی تھی ان کی جگہ حکومت اودھ میں مفتی عدالت لکھنو ہوئے، یہ محمد علی شاہ (اودھ کے تیسرے بادشاہ) کا زمانہ تھا، انتزاع سلطنت اودھ تک، پھر مزید ایک سال 1857 تک لکھنو میں انگریزی راج کے زمانے میں بھی مفتی عدالت رہے، اس طرح 28 سال تک انہوں نے اودھ کی سرکاری خدمات انجام دی۔(۴۸)

علامہ سید سلیمان ندویؒ مفتی محمد یوسف کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اس اخر زمانے میں بھی فرنگ محل کے دار العلم میں فضل وکمال کی بیسیوں بساطیں بچھی رہی، انہی میں سے مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محل کی درسگاہ ہے، مفتی صاحب مفتی محمد اصغر بن مفتی ابوالرحم صاحب فرنگی محلی کے صاحبزادہ اور جانشین تھے، ان کے والد مفتی محمد اصغر صاحب ملا قطب الدین سہالوی شہید کے صاحبزاد ملا سعید ملا محمد سعید کے سلسلے میں تھے، اور لکھنو میں نوابی کے زمانے میں سرکار عبد کے مفتی تھے، والد کے بعد ان کی جگہ یہ مفتی ہوئے، روز وشب طلبہ کو درس اور ساتھ ہی منصب افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، جب 1856 میں سلطنت اودھ کی بساط الٹی تو علم کا یہ مرکز جونپور کے مدرسہ امام بخش میں منتقل ہوگیا، یہاں سے وہ حج وزیارت کو حجاز تشریف لے گئے اور وہیں 1286 میں ابدی نیند سو

گئے۔(۴۹)

آپ کے فتاویٰ ''فتاوی قیام الملۃ والدین'' میں شامل ہیں۔

خانوادہ فرنگی محل کے دوسرے مفتیان کرام

خانوادہ فرنگی محل میں ہر دور ایسے مفتی بھی رہے ہیں جو حکومت اودھ سے وابستہ تو نہیں رہے،لیکن مسلمانوں میں مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں،اس سلسلہ ملا نظام الدین،ملا عبد العلی بحر العلوم،ملا محمد حسن،مولانا عبد الحلیم،مولانا عبد الحی فرنگی محلی،مولانا محمد نعیم،مولانا عبد الباری فرنگی محلی،مفتی عنایت اللہ،مفتی عبد الحمید فرنگی محلی،مفتی محمد عبد القادر فرنگی محلی صاحب فتاوی قادریہ معروف بہ فتاوی فرنگی محل،مفتی محمد قائم فرنگی محلی اور مفتی محمد عتیق فرنگی محلی کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

ان کا مختصر تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

ملا نظام الدین

خانوادہ فرنگی کے جد امجد ملا قطب الدین کے فرزند،اپنے دور کے نامور عالم دین،مصنف اور مدرس تھے،اپنے والد ملا قطب الدین کے علاوہ ملا امان اللہ بنارسی اور ملا غلام نقشبند سے اکتساب فیض کیا،درس نظامی انہی کی طرف منسوب ہے،مولانا عبد الحی حسنیؒ نے بڑے الفاظ میں ان کا تعارف کرایا ہے:

> الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة الشهير صاحب العلوم والفنون وغيث الإفادة الهتون، العالم بالربع المسكون، أستاذ الأساتذة، وإمام الجهابذة، الشيخ نظام الدين بن قطب الدين بن عبد الحليم الأنصاري السهالوي ثم اللكهنوي الذي تفرد بعلومه وأخذ لواءها بيده، لم يكن له نظير في زمانه في الأصول والمنطق والكلام(۵۰)

بانی درس نظامی کے مصنف مفتی رضا انصاری ملا نظام الدین کی فقہی بصیرت اور توسع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اس واقعہ سے ملا نظام الدین فرنگی محلی کی فقیہانہ نظر اور دینی بصیرت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے،بلکہ ان کے مرتب کردہ درس کا جسے درس نظام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے،ایک نمایاں پہلو ابھر کر آجاتا ہے وہ یہ کہ فقہی تنگ نظری کا سد باب ہو جاتا ہے۔(۵۱)

مفتی رضا انصاری فتوی نویسی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> علمائے فرنگی محل جب سے لکھنؤ میں آباد ہوئے غیر سرکاری فتوی نویسی انہی کے سپرد رہی،شہر اور بیرون شہر سے ان کی خدمت میں استفتے آتے اور ان کے جوابات عموماً سرگروہ علمائے فرنگی محل کے دستخط سے جاتے،فرنگی محل میں اولین عالم اور استاذ الکل ملا نظام الدین کا ایک فتوی ڈھائی سو برس سے زیادہ

گزر جانے کے بعد آج بھی بعینہ موجود ہے۔(۵۲)

اس کتاب میں ان کے متعدد فتاوی بھی نقل کیے گئے ہیں۔

ملا عبد العلی بحر العلوم

ملا نظام الدین کے نامور فرزند ملا عبد العلی اپنے دور کے یکتائے روزگار تھے، بحر العلوم ملک العلما کے لقب سے مشہور تھے، مولانا عبد الحی حسنی ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

الشيخ الإمام العالم الكبير العلامة عبد العلي بن نظام الدين بن قطب الدين ابن عبد الحليم الأنصاري السهالوي اللكهنوي بحر العلوم ملك العلماء. كان معدوم النظير في زمانه، رأساً في الفقه والأصول، إماماً جوالاً في المنطق والحكمة والكلام۔(۵۳)

ان کے متعدد فتاوی شائع ہوئے ہیں، جن میں رسالہ حرمت حقہ وافیون ونان پاؤ، اور بیعت حاضر وغائب قابل ذکر ہیں۔

مولانا عبد الحلیم

مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ اپنے دور میں مشہور عالم تھے، فقہ کے موضوع پر ان کی متعدد تصانیف ہیں، جن میں ہدایہ کے حواشی کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، جونپور اور حیدر اباد میں عرصہ تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مجموعہ فتاوی عبد الحی کی تیسری جلد مولانا عبد الحلیم کے فتاوی پر مشتمل ہے۔

مولانا خادم احمد

اپنے دور کے ممتاز فقیہ، مدرس اور مفتی تھے، ۱۲۷۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، نزہۃ الخواطر میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے:

الشيخ الفاضل خادم أحمد بن حيدر بن مبين بن المحب الأنصاري اللكهنوي أحد الفقهاء الحنفية، ولد ونشأ بمدينة لكهنؤ، وقرأ العلم على عمه الشيخ معين وتخرج عليه، واشتغل بالتذكير والتدريس والإفتاء مدة طويلة، وهو ممن أفتى بحرمة الخروج للشيخ أمير علي الأميتهوي لأخذ ثأر المسلمين بأجودهيا۔(۵۴)

ان کا فتوی فتاوی قیام الملۃ والدین میں شامل ہے۔

مولانا محمد معین بن ملا محمد مبین

مجموعہ فتاوی میں ان کے فتاوی شامل ہیں۔

مولانا عبد الحی

اسلامی علوم اور بطور خاص فقہ وحدیث کے موضوع پر نابغہ روزگار شخصیت کے مالک تھے، ان کی تصانیف کو عالمی

سطح پر غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی، مولانا عبدالحی حسنیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

العالم الفاضل النحرير أفضل من بث العلوم فأروى كل ظمآن۔(۵۵)

فقہ میں اجتہادی شان رکھتے ہیں، حدیث اور فقہ اور سیرت وسوانح سے متعلق بیش قیمت تصانیف ان کی علمی یادگار ہیں، ان کے فتاوی کے مجموعے شائع ہوئے ہیں، مجموعۃ الفتاوی کے ابتدائی دوجلدیں ان کے فتاوی پر مشتمل ہے۔

مولانا محمد نعیم

ان کے متعدد فتاوی 'فتاوی قیام الملۃ والدین' میں شامل ہیں، اسی طرح ان کے فتاوی کا مجموعہ قلمی شکل میں محفوظ تھا، مولانا ابوالحسن فرنگی محلی نے ان کو مرتب کروایا ہے، ابھی اس کی اشاعت نہیں ہوئی ہے۔

مولانا عبدالباری فرنگی محلی

اپنے دور کے مشہور عالم اور ملی کاموں میں نمایاں تھے، ان کے فتاوی ''فتاوی قیام الملۃ والدین'' میں شامل ہیں۔

مفتی عنایت اللہ

اپنے دور کے مشہور عالم تھے، فرنگی محل کے علماء کے تذکرہ پر مشتمل ان کی کتاب ''تذکرہ علمائے فرنگی محل'' سند کا درجہ رکھتی ہے، ایک عرصہ تک مدرسہ نظامیہ کے مفتی رہے، ان کے بعد افتاء کی ذمہ داری مفتی عبدالقادر فرنگی محلی کے سپرد ہوگئی۔

مفتی عبدالحمید

اپنے دور میں فرنگی محلی کے مفتی تھے، ان کے فتاوی مخطوطہ کی شکل میں مفتی ابوالعرفان فرنگی محلی کے پاس موجود ہیں۔

مفتی عبدالقادر

اپنے زمانہ کے مفتی تھے، ان کے فتاوی کا مجموعہ ''فتاوی قادریہ معروف بہ فتاوی فرنگی محل کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

مفتی قائم

مفتی عبدالقادر فرنگی محلی کے بعد مدرسہ نظامیہ کے مفتی بنے، ایک عرصہ تک فتوی نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے، ان کے فتاوی محفوظ نہیں ہیں۔

مفتی محمد عتیق

اپنے دور کے مفتی فرنگی محل تھے، ان کے فتاوی ان کے صاحبزادے مفتی ابوالعرفان فرنگی محلی کے پاس مخطوطہ کی شکل میں محفوظ ہیں، مختلف مواقع پر چند فتاوی شائع بھی ہوئے ہیں، اسی طرح تحریر بے عدیل میں القول الجمیل باجوبۃ استفتاء العدیل کے عنوان سے رویت ہلال کے موضوع پر ایک مفصل فتوی شامل ہے، یہ فتوی مفتی محمد عتیق کی فقہی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ندوۃ العلماء کا دارالافتاء

۱۸۹۲ء میں کانپور کی خاک سے وہ عظیم تعلیمی تحریک اٹھی جس نے نہ صرف پورے ملک کو بلکہ عالم اسلام کو متاثر کیا، اس کا تحریک کا نام ندوۃ العلماء ہے، جو ابتدا میں علماء کی ایک جماعت تھی، جس کے بنیادی مقاصد میں مدارس کے نصاب ونظام کی اصلاح شامل تھے، چند سالوں پر نئے تعلیمی نصاب کے تجربہ کے طور پر ایک تعلیمی ادارہ قائم ہوا، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نام سے موسوم ہوا۔

ندوۃ العلماء کی بنیاد کے دوسرے ہی سال مسلمانوں کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک دارالافتاء کا قیام عمل میں آیا، اس انجمن کے پہلے ناظم مولانا محمد علی مونگیری نے اس کی ضرورت کو تفصیل سے بیان فرمایا اور دارالافتاء کے قیام کی تجویز پیش کی، جو منظور کی گئی، اور اس طرح ندوۃ العلماء کی جانب سے دارالافتاء کا قیام میں آیا۔

۱۳۱۳ھ میں ندوۃ العلماء کی جانب سے ایک دارالعلوم کے قیام کی تجویز منظور ہوئی، اس کے بعد دارالعلوم کا قیام میں آیا، دارالعلوم کے قیام کے بعد ندوۃ العلماء کا دارالافتاء پہلے سے زیادہ فعال ہوگیا، اور اس کی شہرت پورے ملک اور بیرون ملک پھیلتی گئی۔

ندوۃ العلماء کے دارالافتاء کی سرگرمیاں نامور عالم دین مولانا لطف اللہ علی گڑھی کی سرپرستی میں شروع ہوئیں، مولانا کے شاگرد مولانا عبداللطیف رحمانی اس کے پہلے مفتی مقرر ہوئے، ان کے بعد مولانا شبلی فقیہ جیراجپوری نے اس عہدہ کو زینت بخشی، ان کے بعد مفتی محمد سعید ندوی مفتی ندوہ ہوئے، ان کے بعد استاذ محترم مفتی محمد ظہور ندوی رحمۃ اللہ نے ایک طویل عرصہ تک اس ذمہ داری کو سنبھالتے رہے، مفتی محمد ظہور ندویؒ کے اخیر دور میں ہی استاذ محترم مولانا نیاز احمد ندوی صاحب کو یہ ذمہ داری دی گئی، موجودہ وقت میں مولانا نیاز احمد ندوی صاحب کے ساتھ مفتی محمد ظفر عالم ندوی، مفتی محمد مستقیم ندوی اور مفتی مسعود حسن حسنی ندوی اس ذمہ داری کی انجام دہی میں مصروف عمل ہیں۔(۵۶)

ندوۃ العلماء کے فتاوی کا انتخاب پانچ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ میں بھی ایسے متعدد نام ہیں جن کی دارالافتاء سے رسمی وابستگی تو نہیں تھی، مگر وہ فتاوی بھی لکھتے تھے، مولانا برہان الدین سنبھلی انہی لوگوں میں شامل ہیں، ان کے چند فتاوی 'فتاوی ندوۃ العلماء' میں شامل ہیں۔

ندوۃ العلماء میں دارالافتاء کے علاوہ ایک شعبہ مجلس تحقیقات شرعیہ ہے، جس کا قیام جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا، ابتدائی دور میں یہاں بھی بڑی تعداد میں جدید مسائل سے متعلق استفتاءات آتے تھے، اس وقت مجلس کے ذمہ دار مولانا برہان الدین سنبھلیؒ ان کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا کرتے تھے، مولانا کی بعض کتابوں میں اس بات کا اشارہ موجود ہے۔(۵۷)

مدرسہ عالیہ فرقانیہ

مدرسہ عالیہ فرقانیہ حفظ وقرآت کے لئے مشہور رہا ہے، لیکن یہ ایک طویل عرصہ تک یہ فتوی کا مرکز بھی رہا ہے، مولانا سید عین القضاۃ (۱۸۵۸۔۱۹۲۵ء) اس کے اصل روح رواں تھے، وہ خود بھی مفتی تھے، اور ان کی نگرانی وسرپرستی میں متعدد مفتیان کرام فتوی نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے، ان کے فتاوی رجسٹروں میں محفوظ تھے۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کو مولانا سید عین القضاۃ کے والد سید محمد وزیر صاحب نے قائم فرمایا، وہ اصلا گول کنڈہ حیدرآباد کے رہنے والے تھے، کسی وجہ سے حیدرآباد سے مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے، پھر اپنے صاحبزادے عین القضاۃ کی تعلیم کی خاطر لکھنو تشریف لائے، اور یہیں قیام پذیر ہوئے، انہوں نے اپنے صاحبزادے کو مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے سپرد کیا، مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی تربیت سے ایسا نکھار پیدا ہوا کہ استاذ کی طرح یہ شاگرد بھی فضل وکمال میں نامور ہوئے، انہوں نے مولانا عبدالحی کے علاوہ اس وقت کے فرنگی محل کے دیگر علماء مثلا مولانا عبدالباری، مفتی محمد یوسف، مولانا عبدالباقی سے بھی استفادہ کیا۔(۵۸)

مدرسہ فرقانیہ ان کے والد کی یادگار ہے، اس ادارہ کا قیام ۱۹۱۱ء میں تجوید وقرات کے لئے ہوا تھا، اس ادارہ کو پروان چڑھانے میں سب سے بڑا کردار مولانا عین القضاۃ کا تھا، اس ادارہ کی لکھنو اور اطراف میں حفظ وقرات کی تعلیم کے فروغ میں بڑی غیر معمولی خدمت رہی ہے۔

مولانا عین القضاۃ عالم ہونے کے ساتھ مفتی بھی تھے، ایک زمانے میں فرنگی محل کے مفتی بھی رہے، بطور خاص مولانا عبدالحی صاحب کے بعد اس منصب کو انہوں نے ہی سنبھالا، مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے قیام کے بعد باضابطہ دارالافتاء کا قیام بھی عمل میں آگیا، مگر اس دارالافتاء کا اصل دور مولانا عین القضاۃ کے دور میں شروع ہوا، مولانا کی سرپرستی میں متعدد مفتیان کرام کی تقرری ہوئی، جن میں مولانا شاہ محمد جان، مولانا حکیم نصیرالدین نعمانی اعظمی، امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی، مولانا سید علی زینبی، مفتی محمد اسباط بارہ بنکوی، مفتی ظہور احمد دربھنگوی مفتی عبدالغفور چھپراوی، اور مفتی محمد عظمت علی بہرائچی شامل ہیں۔(۵۹)

یہاں ان مفتیان کرام کے فتاوی کا مجموعہ بھی قلمی رجسٹروں کی شکل میں موجود تھا، ایک رجسٹر امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی کے فتاوی پر مشتمل تھا، جبکہ دوسرے رجسٹر میں مولانا حکیم نصیرالدین نعمانی اعظمی، مولانا سید علی

زینبی اور مولانا ظہور اللہ در بھنگوی کے فتاوی درج تھے،اودھ میں مراکز افتا کے مصنف ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی نے ان دونوں رجسٹروں کا معائنہ کیا تھا۔(۶۰)

مولانا عین القضاۃ کے متعدد فتاوی شائع ہوئے ہیں،بعض رسائل کی شکل میں بھی ہیں،مثلا فتوی تہجد باجماعت در رمضان،خیر النواہی عن ارتکاب الملاہی،الاغناء فی تحریم الغناء،نہایۃ الارشاد الی احتفال المیلاد،یہ مطبوعہ رسائل ہیں،جبکہ متعدد رسائل غیر مطبوعہ ہیں،مثلا نخبۃ المعارف فی تحریم الاغنیۃ والمعارف،الاجوبۃ السدیدۃ الاسئلۃ العدیدۃ، جواب درباره جواز یا شیخ عبد القادر جیلانی للہ،جواب استفتاء درباره لقاء حضرت حسن بصری،جواب استفتاء درباره علم غیب بذات اقدس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۶۱)

مولانا عبد الشکور فاروقی

مولانا عین القضاۃ کے شاگرد رشید اور مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے مفتی مولانا عبد الشکور فاروقی اپنے دور کے نامور عالم تھے،آپ امام اہل سنت کے لقب سے جانے جاتے ہیں،۱۹۱۲ سے ۱۹۱۵ تک مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں بحیثیت مدرس ومفتی رہے،اس زمانہ میں جو بھی استفتا آتے،آپ ہی اس کا جواب تحریر فرماتے۔(۶۲)

مدرسہ کے ریکارڈ میں فتاوی کے نقل کا ایک رجسٹر آپ کے فتاوی پر مشتمل ہے۔

مفتی ظہور احمد در بھنگوی

مولانا عین القضاۃ کے دور میں بحیثیت مفتی و مدرس مدرسہ عالیہ فرقانیہ سے وابستہ ہوئے،آپ کے فتاوی وہاں کے قلمی ریکارڈ میں محفوظ ہیں،آپ کی وفات ۱۹۶۳ء میں ہوئی(۶۳)

مولانا سید علی زینبی امروہوی

اپنے دور کے ممتاز عالم تھے،مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں مدرس اور مفتی رہے،تسہیل الفرائض،میقاۃ الصلوۃ،تخریج الاوقات ان کی اہم تصنیفات ہیں،۱۹۴۹ء انتقال ہوا۔(۶۴)

ان کے علاوہ مولانا محمد اسباط بارہ بنکوی،مفتی عبد الغفور چھپراوی اور مولانا مفتی محمد عظمت علی بہرائچی نے بھی یہاں فتوی نویسی کی خدمت انجام دی ہیں۔(۶۵)

لکھنو کے شیعہ مجتہدین

لکھنو میں مفتیان کرام میں شیعہ مجتہدین کا ذکر ناگزیر ہے،علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ جملہ اپنے اندر پوری تاریخ کو سموئے ہوئے ہے،انہوں نے فرمایا تھا’’یہاں کا ایک خاندان اجتہاد پورے ملک کے طول وعرض پر تنہا حکمراں ہے‘‘(۶۶)

اس موضوع کے لئے مستقل تحریر کی ضرورت ہے،آئندہ کبھی اس پر لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

مراجع:

۱۔نزہۃ الخواطر،مولانا عبدالحی حسنی،دارابن حزم بیروت،پہلا ایڈیشن:۱۹۹۹ء

۲۔حیات شبلی،علامہ سید سلیمان ندوی،دارالمصنفین اعظم گڑھ

۳۔تذکرہ علمائے فرنگی محل،مولوی محمد عنایت اللہ،ناشر اشاعت العلوم برقی پریس،فرنگی محل لکھنؤ

۴۔گذشتہ لکھنؤاز مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی،تصحیح وترتیب:رشید حسن خان،ناشر:مکتبہ جامعہ لیمیٹیڈ،نئی دہلی،۱۹۷۱

۵۔انتخاب مضامین مولانا سید سلیمان ندوی،ص:۴۹،ناشر:اردو اکیڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵ء

۶۔بانی درس نظامی،مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی،نامی پریس:۱۹۷۳

۷۔امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی،مصنف پروفیسر عبدالحی فاروقی،ناشر ادارہ تحقیقات اہلسنت، لاہور

۸۔باقیات(مضامین مفتی رضا انصاری فرنگی محلی)،مرتب:محمد فائق رضا انصاری،۲۰۰۹ء)

۹۔حقیقت اولیاء حیات مرشد صوفی باصفا،مصنف مظہر لکھنوی،مکتبہ عین القضاۃ،سن اشاعت:۱۹۶۹ء

۱۰۔مختصر سوانح حیات سید محمد عین القضاۃ،مصنف:حافظ افتخار علی،ناشر:مدرسہ عالیہ فرقانیہ،۱۹۷۴

۱۱۔اودھ میں مراکز افتاء اوران کی خدمات،ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی،۲۰۰۹ء

۱۲۔آثار حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید،مصنف:سید ظراحسن بہرائچی،ناشر:خانقاہ نعیمیہ،بہرائچ،سن طباعت ۲۰۲۵ء

۱۳۔مخزن برکت،خورشید حسن،مطبع:جی نارائن پریس لکھنؤ،۱۹۰۲ء

حاشیہ:

۱۔حیات شبلی،ص:۱۰

۲۔گذشتہ لکھنؤ،ص:۱۵۳

۳۔انتخاب مضامین سید سلیمان ندوی،ص:۴۹

۴۔گذشتہ لکھنو،ص:۱۵۴

۵۔نزہۃ الخواطر،ج۳،ص:۲۵۱

۶۔نزہۃ الخواطر،ج۳،ص:۲۷۰

۷۔حیات شبلی،ص:۱۴

۸۔نزہۃ الخواطر،ج ۳،ص:۲۷۰

۹۔نزہۃ الخواطر،ج ۳،ص:۱۱۷

۱۰۔حیات شبلی،ص:۱۴،نزہۃ الخواطر،ج ۳،ص:۲۵۱

۱۱۔نزہۃ الخواطر،ج ۶،ص:۷۰۵

۱۲۔نزہۃ الخواطر،ج ۳،ص:۲۷۵

۱۳۔ترجمہ فوائد سعدیہ،ص:۷

۱۴۔مخزن برکت،ص:۱۹

۱۵۔نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۵۶۸

۱۶۔حیات شبلی،ص:۱۶

۱۷۔نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۵۶۸

۱۸۔نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۵۶۸

۱۹۔مخزن برکت،ص:۱۶

۲۰۔مخزن برکت،ص:۱۸

۲۱۔نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۵۰۶

۲۲۔حیات شبلی،ص:۱۵،نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۵۰۶

۲۳۔مخزن برکت،ص:۶۲

۲۴۔ہفت تماشا مطبوعہ نول کشور پریس،ص:۱۴۷،بحوالہ بانی درس نظامی،ص:۸۹

۲۵۔نزہۃ الخواطر،ج ۵،ص:۶۲۷

۲۶۔نزہۃ الخواطر،ج ۶،ص:۷۷۷

۲۷۔نزہۃ الخواطر،ج ۶،ص:۷۷۷

۲۸۔حیات شبلی،ص:۱۶

۲۹۔نزہۃ الخواطر

۳۰۔بانی درس نظامی،ص:۶۱۔۶۲

۳۱۔بانی درس نظامی،ص:۸۹

۲۳۔نزہۃ الخواطر،ج ۶،ص:۶۹۳

۳۳۔نزہۃ الخواطر، ج ۶،ص:۷۲۹

۳۴۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص:۱۰۰۶

۳۵۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص: ۱۰۵۳

۳۶۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص: ۱۱۳۲

۳۷۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص:۹۳۸

۳۸۔حیات شبلی ،ص:۱۹

۳۹۔تذکرہ علمائے فرنگی محل ،ص:۲۰۵

۴۰۔ بانی درس نظامی ،ص:۱۸۶

۴۱۔تذکرہ علمائے فرنگی محل ،ص:۱۹۷

۴۲۔ بانی درس نظامی ،ص:۱۸۷

۴۳۔ بانی درس نظامی ،ص:۱۳۶

۴۴۔تذکرہ علمائے فرنگی محل ص:۴۷

۴۵۔آثار حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید ،ص:۱۲۹

۴۶۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص:۱۰۸۸

۴۷۔تذکرہ علمائے فرنگی محل ،ص:۲۰۶

۴۸۔باقیات ،ص:۱۵۵

۴۹۔حیات شبلی ،ص: ۲۴

۵۰۔نزہۃ الخواطر، ج ۶،ص:۸۵۱

۵۱۔ بانی درس نظامی ،ص: ۱۶۳

۵۲۔ بانی درس نظامی ،ص:۱۸۶

۵۳۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص:۱۰۲۱

۵۴۔نزہۃ الخواطر، ج ۷،ص:۹۶۱

۵۵۔نزہۃ الخواطر، ج ۸،ص:۱۲۶۸

۵۶۔تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی ندوۃ العلماء: مقدمہ

۵۷۔تفصیل کے لئے دیکھئے: بینک، انشورنس اور سرکاری قرضے، از مولانا برہان الدین سنبھلی

۵۸۔حیات مرشد صوفی باصفا،ص:۶۳

۵۹۔اودھ میں مراکز افتاء،ص:۲۲۴

۶۰۔حوالہ سابق

۶۱۔مختصر سوانح حیات محمد عین القضاۃ،ص:۱۶

۶۲۔امام اہلسنت مولانا عبدالشکور فاروقی،ص:۱۱۹

۶۳۔اودھ میں مراکز افتا،ص:۲۳۳

۶۴۔اودھ میں مراکز افتا،ص:۲۳۳

۶۵۔اودھ میں مراکز افتا،ص:۲۳۶

۶۶۔انتخاب مضامین سید سلیمان ندوی،ص:۴۹